© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

رائے اور تعبیر میں اختلاف بالکل فطری چیز ہے اور انسان جب تک غور وفکر کرنے کے بنیادی حق سے دستبردار نہیں ہو جاتا یہ اختلاف دنیا کے اندر بہرحال موجود رہے گا۔ اس کے ختم ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس بات کی توفیق دے کہ وہ خود لوح محفوظ کو دیکھ کر منشاء ربانی معلوم کر سکے یا پھر پوری نوع بشری حیوانوں کا ایک ایسا گلہ بن جائے جو قوت وشعور سے یکسر عاری ہو اور اُسے ایک قوتِ قاہرہ جس طرح چاہے میکانکی طور پر ہانک کرلے جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد وہدایت کے لیے جو انتظام فرمایا ہے اس میں ان دونوں ممکنات کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ اُس حکیم ذات نے اپنی حکمتِ بالغہ سے کام لیتے ہوئے ہر شخص کو اس امر کی توفیق نہیں دی کہ وہ اُس کے احکام براہِ راست اُس سے حاصل کر سکے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے مقصد ومنشا کو انسانیت پر واضح کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو ہی ذریعہ بنایا ہے۔ وہ ان نفوسِ قدسیہ کی وساطت سے نوع بشری کو اپنی تعلیمات سے آگاہ کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے انسانوں میں رہ کر، انسانی بندھنوں میں بندھ کر اُس کے احکام سے لوگوں کو آشنا کریں اور پھر خود ان احکام پر عمل کر کے ان کے عملی مضمرات اُن کے ذہن نشین کرائیں۔

ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی نازل فرما کر اور انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر انسانیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو گمراہی سے بچانے کا انتظام فرمایا مگر دوسری طرف اُس نے انسانوں کو ضمیر، شعور و وجدان جیسی کسوٹیاں بھی عطا کیں تاکہ وہ ان کے ذریعہ کھوٹے اور کھرے کے درمیان تمیز کر سکیں۔ انسانی زندگی میں یہ کسوٹیاں بہت بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اب جبکہ سلسلۂ نبوت کے آخری تاجدار خداوند تعالیٰ کے منشا و مقصد کو ہم پر پوری طرح واضح کر کے ہم سے رخصت ہو چکے ہیں اور یہ منشار ربانی ہمارے پاس قرآن و سنت کی شکل میں پوری طرح محفوظ ہے تو اب ہماری ہدایت کا راز صرف اسی بات میں مضمر ہے کہ ہم ان پر مسلسل غور و فکر کر کے ان کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ لیکن اس غور و فکر کے معاملے میں بھی یہ احتیاط انتہائی ضروری ہے کہ اس کا محرک ہماری ذاتی خواہش یا ہوائے نفس نہ ہو بلکہ اس تحقیق کے پیچھے صرف یہی مقدس ارادہ کارفرما ہو کہ منشار شریعت کو اس کی پوری جزئیات و تفصیلات کے ساتھ معلوم کر سکیں۔

جن معاملات میں اللہ تعالیٰ کے احکام بالکل واضح ہیں اور اُن میں کسی معقول تعبیر کی کوئی گنجائش نہیں اُن میں امت کے کسی طبقہ میں بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح حضور سرورِ کائنات صلعم نے شریعت کے جن گوشوں کی پوری طرح نقاب کشائی کر دی ہے ان کے اندر بھی ملت کے ہر طبقہ میں اتفاق و اتحاد ہے اور دنیا کے سارے مسلمان ان امور میں ایک دوسرے سے پوری طرح متفق ہیں۔ توحید، رسالت، آخرت یہ وہ معتقدات ہیں جن پر دنیا کے سارے مسلمان ایمان رکھتے ہیں اور ان کے معاملے میں اُن کے اندر پوری پوری وحدتِ فکر پائی جاتی ہے۔ جہاں تک نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی فرضیت کا تعلق ہے اس معاملہ میں بھی امت کے اندر کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس کے علاوہ صداقت، امانت، راستبازی، صاف گوئی یہ وہ بنیادی انسانی صفات ہیں جن کے بارے میں اُمت کے اندر کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں۔ اُمت کے ہر طبقہ نے انہیں ایک مسلمان کے لیے نہایت اہم اور بنیادی صفات قرار دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمان و عمل کے ان گوشوں سے ہٹ کر دین اور شریعت کے بعض گوشے ایسے بھی ہیں جن میں حسنِ نیت اور اخلاص کے باوجود اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ ان شعبوں میں اگر کوئی صاحبِ ایمان کسی لالچ یا نفسانیت کے تحت نہیں بلکہ اخلاص کے ساتھ کوئی اختلاف رکھتا ہے اور اس اختلاف کے لیے اُس کے پاس ایسے ٹھوس وجوہ ہیں جن کی تائید دین ہی سے ہوتی ہے تو اُس شخص کو بد باطن نہیں کہا جا سکتا۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے دین کا اُسی طرح تابع ہے جس طرح کہ دوسرے مسلمان۔

اختلاف کی وہ قسم البتہ اُمّت کے لیے مہلک ہے جس کا محرّک ہوائے نفس ہو اور جس کی تہ میں اخلاص کی بجائے نفس پرستی کام کر رہی ہو۔ وہ شخص جس کی نیت صرف یہی ہو کہ وہ منشادِ الٰہی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اپنی زندگی کو اُس کے مطابق ڈھالے، وہ اگر دین کے کسی جزو میں تعبیر کی کوشش کرتا ہے تو اُس کی نوعیت اُس تعبیر سے یکسر مختلف ہو گی جو بندگیٔ نفس کے تحت کی جاتی ہے۔ پہلی تعبیر میں انسان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر معاملے میں خدا اور اُس کے رسول کے فیصلے کو ٹھیک ٹھیک معلوم کرے اور اگر کسی شعبے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ قطعی اور دو ٹوک نہ ہو اور اُس میں ایک سے زیادہ آراء ممکن ہوں تو اس میں بھی اس کے غور و فکر کا منتہائے مقصود یہی ہوتا ہے کہ وہ اسی رائے کو اختیار کرے جو دین کے پورے مزاج سے سب سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ ترک و اختیار کے اس دائرہ میں بھی وہ ذاتی خواہش کو قطعاً دخیل نہیں ہونے دیتا بلکہ ہر قدم پر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ احکامِ الٰہی اور حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی کوئی ایسی تعبیر کرے جو مقتضیاتِ دین کے عین مطابق ہے۔

یہ ممکن ہے کہ اس مقدس عزم، نیک ارادے اور خلوص نیت کے ساتھ جب کسی معاملہ کی تعبیر کی جائے تو اُس میں اختلاف کے کئی پہلو نکل آئیں۔ اس قسم کا اختلاف نہ تو اُمت کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے کبھی نقصان دہ ثابت ہوا ہے اور نہ اب ہو سکتا ہے۔ اس اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ ہر غور کرنے والا دل کی گہرائیوں سے اس بات کا متمنی ہے کہ وہ کسی ایسے معاملے میں جس میں قرآن و سنت دونوں خاموش ہیں اس کی کوئی ایسی توجیہ کرے جو دین کے مزاج سے بالکل مطابقت رکھتی ہو۔ اگر آپ اس اختلاف کے محرکات کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے پیچھے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور حضور سرور کائنات کی محبت اور اُن کی تابعداری کے مقدس جذبات کارفرما ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ اختلاف کسی جہت سے بھی امت کے لیے باعثِ تکلیف نہیں۔ اس حقیقت کو ہم ذیل کی ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں وضو کے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے اُس میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ (۵ : ۲)

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منہ، اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔

پھر اس حکم کی عملی تفسیر جو ہمیں حدیث میں ملتی ہے اُس میں وضو کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے:

عن حمران مولى عثمان بن عفان انه رأى عثمان دعا بوضوء فافرغ على يديه من انائه فغسلهما ثلث مرات ثم ادخل يمينه في الوضوء ثم تمضمض واستنشق واستنثر ثم غسل وجهه ثلثا ويديه الى المرفقين

حمرانؓ (حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام) نے عثمان بن عفانؓ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کا پانی مانگا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں پر برتن سے پانی ڈالا اور انہیں تین مرتبہ دھویا، پھر اپنا داہنا ہاتھ پانی میں ڈال دیا اور کلی کی اور ناک میں پانی لیکر ناک صاف کی۔ پھر اپنے منہ کو تین مرتبہ اور ہاتھوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثلثاً ثم مسح براسه ثم غسل کل رجل ثلثاً ثم قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ نحو وضوءی ھذا۔

(بخاری۔ کتاب الوضوء)

کی کہنیوں تک تین بار دھویا، پھر سر کا مسح کیا پھر پاؤں کو تین مرتبہ دھویا اور پھر کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسی وضوء کی مثل وضوء کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت، حضور سرور کائنات کی یہ اور اسی قسم کی بعض دوسری احادیث وہ بنیادیں ہیں جن کی روشنی میں ہم وضوء کی عملی تفصیلات معلوم کر سکتے ہیں۔ اور ان تفصیلات میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے لیکن اس اختلاف کی نوعیت دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر صاحبِ نظر کے سامنے مقصد ایک ہی ہے کہ وہ کسی طرح حضورؐ کے قول و عمل کی پوری پوری متابعت کرے۔

جب ہم وضوء کے احکام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے سب سے پہلے یہ حقیقت آتی ہے کہ نماز کے لیے وضو ضروری شرط ہے الا یہ کہ اس میں کوئی ایسی چیز مانع ہو جس کی خود اللہ تعالیٰ اور حضورؐ نے تصریح فرما دی ہے۔ کتاب الٰہی اور سنتِ نبوی کی اس بارے میں چونکہ صراحت موجود ہے اس لیے اس کے وجوب میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ اس پر ائمہ امت کا اجماع ہے۔

اب اختلاف جو کچھ ہے وہ انہیں تفصیلات کے بارے میں ہے جن میں فی الواقع اس کی پوری گنجائش موجود ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلا اختلاف یہ ہے کہ کیا نیت صحت وضوء کے لیے شرط ہے۔ ائمہ اکرام کے ایک گروہ کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انما الاعمال بالنیات فرمایا ہے اس لیے وضو کی نیت ضروری ہے۔ اس مقدس گروہ میں امام شافعی، امام مالک، امام احمد و ابی ثور اور داؤد (اللہ ان سب پر اپنی رحمت کی بارش نازل فرمائے) شامل ہیں۔ دوسری طرف امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری (اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھر دیے) ہیں۔ یہ حضرات نیت کو صحتِ وضوء کے لیے شرط نہیں سمجھتے۔ اب آپ دیکھیے کہ ان کے اختلاف کی وجہ کتنی فطری ہے۔ عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عبادتِ محض جس کا مقصد صرف قربتِ الٰہی ہے جیسے نماز۔ عبادت کی دوسری قسم کو فقہاء نے عبادۃ معقول المعنی کہا ہے جیسے نجاست کا دھونا پہلی قسم کے لیے تمام ائمہ کے نزدیک نیت شرط ہے اور دوسری قسم کی عبادت کے لیے نیت کو شرط نہیں قرار دیا گیا۔ اب وضوء ایک ایسی عبادت ہے جس میں دونوں امکانات موجود ہیں۔ ایک اعتبار سے یہ عبادتِ محض ہے اور دوسرے نقطۂ نظر سے یہ عبادۃ معقول المعنی ہے۔ امام شافعیؒ اور اُن کے رفقا کا ارشاد یہ ہے کہ چونکہ یہ عبادتِ محض بھی ہے اس لیے اس کے لیے نیت شرط ہے۔ دوسری طرف امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے پایۂ ساتھی اسے دوسری قسم کی عبادت خیال کرتے ہیں اس لیے اُن کے نزدیک نیت وضوء کے لیے شرط نہیں۔

اس کے بعد دوسرا اختلاف دیکھیے۔ بعض ائمۂ دین یہ کہتے ہیں کہ وضوء کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ انہیں دھو لیا جائے۔ اُن کے اس استدلال کی بنیاد حضور سرور کائناتؐ کے ارشادات ہیں۔ مثلاً حضور سرورِ دو عالم نے فرمایا:

اذا استیقظ احدکم من نومہٖ فلا یغمس یدہٗ حتی یغسلہا ثلاثاً فانہ لا یدری این باتت یدہٗ۔	تم میں سے جو کوئی بھی نیند سے بیدار ہو تو وہ ہاتھوں کو تین مرتبہ دھوئے بغیر برتن میں نہ ڈالے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ حالتِ خواب میں کہاں رہے ہیں۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں یہی الفاظ تھوڑے سے تغیّر و تبدّل کے ساتھ یوں وارد ہوئے ہیں۔

اذا استیقظ احدکم من اللیل	جب رات کی نیند سے کوئی بیدار ہو۔

دارقطنی میں ان الفاظ پر معمولی سا اضافہ ہے:

؎ بدایۃ المجتہد ص۸ جزو اول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اذا استیقظ احدکم من منامہ فلا یدخل یدہ فی الاناء حتیٰ یغسلھا ثلاث مرات، فانہ لا یدری این باتت یدہ او این طافت یدہ ۔

جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو وہ ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ دھولے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اُس کے ہاتھوں نے رات کہاں گزاری ہے یہاں وہ کس جگہ گھومتے رہتے ہیں

روایات میں کہیں کہیں فلیغسلھا ثلاثاً کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ اس لیے بعض فقہاء نے ان سے وجوب کا استدلال کیا ہے کہ جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے انہیں لازمی طور پر تین مرتبہ دھو لینا چاہیے۔ یہ معنی اُن حضرات نے کیے ہیں جنہوں نے اس حدیث اور آیتِ وضو کے درمیان کسی قسم کا تعارض نہیں سمجھا۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے ہر قسم کی نیند سے بیدار ہونے پر اس فعل کو ضروری قرار دیا ہے۔

اس کے بعد اختلاف کی دوسری صورت یہ پیش آتی ہے کہ کیا یہ حکم صرف رات کی نیند کے ساتھ مختص ہے یا اس کا اطلاق ہر قسم کی نیند پر ہوتا ہے۔ امام احمدؒ اور امام ابوداؤدؒ نے حدیث کے لفظ "باتت" کی بنیاد پر یہ استدلال کیا ہے اس سے مراد صرف خوابِ شب ہی ہے کیونکہ رات کے وقت ہی انسان پر نیند کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعضاء کی حرکت کے بارے میں کچھ شعور نہیں رکھتا مگر دن کے وقت بے شعوری کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ ان حضرات کے برعکس دوسرے آئمہ نے یہ کہا ہے کہ یہ ایک عام حکم ہے اور اسے رات کی نیند کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی شعوری قوتیں صرف خوابِ شب ہی میں معطل نہیں ہوتیں بلکہ اُس پر جب بھی نیند غالب آتی ہے تو شعور کے در خود بخود بند ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ لاشعور کے کواڑ کھل جاتے ہیں جن حضرات نے مندرجہ بالا حدیث کی یہ مختلف تعبیرات کی ہیں وہ سارے حق پر ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی بد باطن یا گمراہ نہیں کہا جا سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح کلائی دھونے کے معاملے کو لیجیے۔ اس میں اختلاف کی اصل بنا "اِلیٰ" اور "ید" کے الفاظ ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ۔ جمہور علما، امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ ہاتھ کو کہنیوں تک دھونے کے قائل ہیں۔ اُن کا دعویٰ یہ ہے کہ لفظ اِلیٰ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ہاتھ کو بشمول کہنی دھونا چاہیے کیونکہ جس چیز کی غایت بیان کی جا رہی ہو وہ اُس میں شامل ہوتی ہے۔ دوسری طرف امام زفرؒ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ سے استدلال کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ چونکہ رات وہ انتہا ہے جس کے آغاز تک روزہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا حکم ہے اور اس میں لفظ اِلیٰ رات کو شامل نہیں کرتا، اس لیے ہاتھ کے دھونے میں کہنی کا دھونا شامل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہاتھ کا لفظ بھی کلامِ عرب میں مختلف موقعوں پر مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کہیں اس سے مراد صرف ہتھیلی ہے، کہیں اس کے مفہوم میں ہتھیلی اور کلائی دونوں شامل ہوتی ہیں اور کہیں اس لفظ کا اطلاق بازو پر بھی ہو جاتا ہے۔[2] اختلاف کی یہ گنجائش حقیقی طور پر موجود ہے اور اس معاملے میں جن ائمہ سلف نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے وہ درحقیقت تعبیر کا اختلاف ہے، نیت کا فساد نہیں۔

تعبیر و توجیہ کے یہ اختلافات جن کے چند نمونے اوپر درج کیے گئے ہیں فقہی ادب کی سلوٹوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مہیا نہیں کیے گئے۔ یہ وہ چند ابتدائی باتیں ہیں جن سے ہر وہ شخص آشنا ہے جس نے کبھی بھی اپنے بیش قیمت فقہی سرمائے پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ فقہی مسائل میں فقہاء کرام نے جو یہ مختلف آرا پیش کی ہیں ان کا محاکمہ نہ میرا مقصد ہے اور نہ میں کسی اعتبار سے اس کا اہل ہوں۔ مجھے اپنی حدود کا پورا پورا احساس ہے۔ ان مختلف تعبیرات کو میں نے صرف اس لیے آپ کے سامنے نقل کیا ہے تاکہ آپ دین کے اندر

---

[1] ہدایہ ص ۲ [2] بدایۃ المجتہد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعبیر و توجیہ کے صحیح مزاج کا اندازہ کرسکیں۔

اس تعبیر میں پہلی چیز جو فوراً انسان کے ذہن میں آتی ہے وہ ان مقدس حضرات کا اخلاص اور دین کے ساتھ سچی اور گہری محبت ہے۔ ان کی اس توجیہ کا مقصد نفس پرستی نہیں بلکہ للّٰہیت ہے الفاظ کی چھان پھٹک، احادیث کی ترتیب و تشریح اور قرآن مجید کی مختلف آیات کی توضیح میں ان پاکباز لوگوں کے سامنے ہمیشہ ایک ہی مقصد رہا کہ وہ کسی طرح اس منشا کو صحیح صحیح سمجھ سکیں جو ان احکام کے معاملے میں خدا اور اس کے رسول کے پیش نظر ہے۔ چنانچہ دیکھیے کہ ان کی تحقیق کا مرکز و محور قرآن و سنت ہی ہے اور ان کی ساری کوششیں قطب نما سوئی کی طرح صرف اسی ایک محور کے گرد گھومتی ہیں۔ مقدس انسانوں کے اس پورے گروہ میں ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس نے اپنے ذاتی رجحانات اور دلپسند افکار کو دین کے اندر داخل کرنے کی کوشش کی ہو۔ دنیا کی پوری تاریخ میں مسلمان فقہا اپنی بے لوثی کی وجہ سے منفرد اور ممتاز ہیں۔ یوں نظر آتا ہے کہ فقہی احکام کے استنباط میں ان حضرات نے غایت درجہ کی غیر جانبداری کا ثبوت دیا اور اس امر کی پوری پوری کوشش کی کہ اُن کے ذاتی احساسات یا مروجہ افکار کی کوئی معمولی سے معمولی پرچھائیں بھی اُن کے اس کام پر پڑنے نہ پائے۔ یہ ایک بڑا ہی نازک مرحلہ ہے کہ آدمی قرآن و سنت کے سرچشموں سے فقہی احکام کی جوئے رواں جاری کرنے کی سعی کرے لیکن وہ سب سے پہلے اپنی ذاتی خواہشات کو الگ کر کے رکھ دے اور کسی مقام پر انہیں اثر انداز ہونے کا موقع نہ دے۔ یہ عظیم الشان کام وہی لوگ ہی سرانجام دے سکتے ہیں جنہوں نے اپنے نفس کو خودغرضی اور تعصب کی ہر آلائش سے پاک کر رکھا ہو۔ اور اپنے احساسات کی اس طریق سے تربیت کی ہو کہ ان کے اندر کسی مرحلہ میں بھی احکامِ الٰہی اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصادم ہونے کی جسارت نہ پیدا ہونے پائے۔ چنانچہ دیکھیے کہ مسائلِ وضو میں ہم نے جتنے اختلافات درج کیے ہیں وہ وہی ہیں جن میں فی الواقع تعبیر اور توجیہ کی پورے اخلاص کے ساتھ گنجائش ہو سکتی ہے۔ کسی فقیہ نے بھی ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکام میں اپنی من مانی تاویلات پیش کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ سب سے دین کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوتے کسی حکم کی وہی تعبیر کی ہے جو پورے دین سے اس کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مناسبت رکھتی ہو۔

تعبیر کی اس مخلصانہ نوعیت کے برعکس ایک نفس پرستانہ نوعیت بھی ملاحظہ کیجیے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو گانا بجانا خریدتا ہے تاکہ بھٹکا دے لوگوں کو راستے سے علم کے بغیر، اور ان آیات کا مذاق اڑائے۔ ایسے لوگوں کے لیے رُسوا کن عذاب ہے۔ ان کے سامنے جب تلاوت کی جاتی ہے تو یہ بڑے گھمنڈ کے ساتھ اس طرح رُخ پھیر لیتے ہیں گویا کہ انہوں نے سنا ہی نہیں گویا کہ وہ بہرے گوش ہیں۔ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کا مژدہ سنا دو۔

اس آیت میں "لہو الحدیث" ایک ایسی ترکیب ہے جس کی بعض بد باطن لوگوں نے عجیب و غریب تاویل کی ہے۔ لغت کے اعتبار سے اس کے معانی ہیں غفلت میں ڈالنے والی بات عربی زبان کی بہترین لغت قاموس میں اَلْھی کے معنی ہیں اِشْتَغَلَ بِالْغِنَاءِ یعنی گانے میں یا گانا سننے میں مشغول ہوا۔ چنانچہ لہو الحدیث سے مراد گانا اور باجے کے ہیں۔ شرع نے ان کا یہی نام رکھا ہے۔ یہی تفسیر اس کی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت مجاہدؒ، حضرت عکرمہؒ حضرت مکحول، حضرت ابو اسحاق وغیرہ نے کی ہے۔ اسی کی تائید دین کا پورا مزاج کرتا ہے مسند احمد مسند حمیدی، جامع ترمذی میں حضرت ابو امامہؓ سے ایک ایک روایت منقول ہے:

لَا تَبِيْعُوا الْمُغَنِّيَاتِ وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ

گانے والیوں کی خرید و فروخت، گانا سکھانا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولا تعلموھن ولا خیر فی تجارۃ فیھن وثمنھن حرام۔ فی مثل ھٰذا انزلت ھٰذہ الآیۃ۔

اُن کی قیمت سب حرام ہے اور یہ آیت اسی ضمن میں نازل ہوئی ہے۔

اسی طرح حضرت ابو الصہبا فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ اس آیت کے کیا معنی ہیں تو آپ نے فرمایا:

وَاللہِ الذی لا الٰہ غیرہٗ ھو الغناء۔

قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس سے مراد گانا بجانا ہی ہے۔

مشہور مفسر امام قرطبی نے فرمایا ہے:

ان اولیٰ ما قیل فی ھٰذا الباب ھو تفسیر لھو الحدیث بالغناء قال وھو قول الصحابۃ والتابعین۔

(تفسیر فتح القدیر ج ۴ ص ۲۳۶)

لھو الحدیث کی تفسیر کے تحت جتنے اقوال بھی بتلائے جاتے ہیں ان میں سب سے زیادہ راجح قول وہی ہے جس میں لھو الحدیث سے غنا مراد لیا گیا ہے۔ اور یہی قول صحابہ اور تابعین سے بھی منقول ہے۔

قرآن مجید کا اندازِ بیان، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تشریحات، ائمہ لغت کی توضیحات اور دین کا پورا مزاج اس بات پر گواہ ہے کہ یہاں لھو الحدیث سے مراد گانا بجانا یا وہ داستانیں ہیں جو انسان کو آیاتِ الٰہی سے غافل کر دیں لیکن گزشتہ چند برسوں میں بعض مفسدین نے صرف حدیث کے ایک لفظ کو لیکر یہ فتنہ پھیلانے کی مذموم کوشش کی ہے کہ یہاں حدیث سے مراد معاذ اللہ احادیثِ نبوی ہیں جو انسان کو کتاب الٰہی سے غافل کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آخر تمہاری اس توجیہ کی کوئی معقول اساس تو ہونی چاہیے تو وہ بڑی جسارت کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی تعبیر صرف "ملّا" کی اجارہ داری نہیں بلکہ اس کا ہر شخص کو حق حاصل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کا مطالعہ اور اس پر غور و فکر بلا شبہ "ملا" کی اجارہ داری نہیں، مگر اس کے مفہوم اور منشا کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے کچھ ضروری شرائط بہر حال ایسی ہیں جنہیں کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سب سے اہم شرط خلوصِ نیت ہے یعنی ایک انسان کے دل میں فی الواقع منشا الٰہی کو سمجھنے کا جذبہ صادق موجود ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوگی تو وہ قرآن مجید کے مطالب کو کبھی بھی ٹھیک طور سے سمجھ نہیں سکے گا بلکہ کلام الٰہی کو اپنے دلپسند افکار و خیالات کی تائید میں استعمال کرتا رہے گا اور اس طرح قرآن پاک سے رشد و ہدایت حاصل کرنے کی بجائے اُس کی تحریف کا مرتکب ہوگا۔

دوسرے قرآنِ حکیم معاذ اللہ کوئی غزلیات کا مجموعہ نہیں کہ ہر صاحبِ ذوق صرف اس کے الفاظ کی معنوی رعایت رکھتے ہوئے اس کے مفہوم کو اپنے ذاتی خیالات اور احساسات کے مطابق متعین کرتا رہے۔ تخیل کی جولانی اشعار کی توجیہہ یا نثر کے ادبی پاروں کی توضیح میں تو دکھائی جا سکتی ہے لیکن اس کی کوئی گنجائش کسی ایسے دین کے اندر نہیں نکل سکتی جو فکر و عمل کا ایک ہمہ گیر پروگرام پیش کرتا ہو، اور ایک مخصوص اسلوبِ حیات کا علمبردار ہو۔ اسلام میں بلا شبہ تعبیر کا بھی ایک مقام ہے لیکن اس تعبیر کی چند حدود و قیود ہیں جنہیں اگر نظر انداز کر دیا جائے تو پھر وہ تعبیر تعبیر نہیں رہتی بلکہ تحریف بن جاتی ہے۔ ایک مکمل ضابطہ جو اساسی تصورات سے لیکر حیاتِ انسانی کی معمولی سے معمولی جزئیات پر پوری طرح حاوی ہو اور پھر جس نے نہ صرف انسانوں کو ایک خاص اندازِ فکر عطا کرنے پر قناعت کی ہو بلکہ اس اندازِ فکر کی عملی تعبیر بھی نہایت واضح طور پر پیش کر دی ہو اُس کے اندر جو شخص بھی من مانی تاویلات کرنے کی کوشش کرے گا وہ منہ کی کھائے گا۔ ممکن ہے آپ الفاظ اور جملوں کو اُن کے سیاق و سباق سے الگ کر کے اور اُن کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر انہیں اپنے ذوق کے مطابق خاص معانی پہنانے میں کامیاب ہو جائیں لیکن جب لفظ اور جملہ اپنے ساتھ عملی زندگی کا ایک نہایت ہی غیر مبہم پس منظر بھی رکھتا ہو تو پھر آپ اپنے اس مقصد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ پس منظر قدم قدم پر آپ کی مزاحمت کریگا اور لوگوں کو بتائیگا کہ آپ یا تو فریب نفس میں مبتلا ہیں یا آپ دوسروں کو فریب دینے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں

اس حقیقت کو آپ لہو الحدیث والی آیت سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ قرآن میں جا بجا اس امر کی تصریح موجود ہے کہ حضور کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے واجب اتباع ہے۔ اس کی پیروی میں ہی ہماری دنیوی فلاح اور اخروی کامرانی کا راز مضمر ہے۔ حضور سرور دو عالم کے ارشادات، آپ کے افعال و اعمال، آپ کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی سے ہی شریعت کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ ان کی حیثیت کسی مقدس انسان کے ذاتی اعمال اور رجحانات کی نہیں بلکہ انہیں اپنانے ہی سے ایک شخص کفر کی تاریکی سے نکل کر ایمان کی روشنی میں آتا ہے۔ چنانچہ جن پاکباز انسانوں نے حضور سرور کائنات کی زندگی میں اُن کی آواز پر لبیک کہا۔ انہوں نے ان سارے پہلوؤں میں حضور سرور دو عالمؐ کی پیروی کرنے کی کوشش کی، حضورؐ کے نظریات کے مطابق اپنے نظریات بدلے، حضورؐ کی عادات کی اپنی عملی زندگی میں تصویر اتاری۔ الغرض اُن کی زندگی کا کوئی گوشہ اور اُن کے قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہ تھا جس میں حضورؐ کی تعلیمات کی گہری چھاپ موجود نہ ہو۔

پھر حضورؐ کے بتلائے ہوئے ارشادات کے مطابق اجتماعی زندگی کی تعمیر کی گئی اور یہ سلسلہ کئی سالوں تک قائم رہا۔ عدالتوں کے اندر ہادئ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کے مطابق فیصلے ہوتے رہے۔ مسلمانوں کے باہمی لین دین اور تعلقات میں حضورؐ کے اقوال کو ہی آخری اتھارٹی تسلیم کیا جاتا رہا اور آج اس گئی گذری حالت میں بھی ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں خوش نصیب انسان حضورؐ کے ارشادات کی تبلیغ و اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں اور ان کی خود بھی تعمیل کرتے ہیں اور دوسروں کو تعمیل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کی صورت گری میں اب بھی سنتِ رسول سے ہی بہت کچھ اخذ کیا جاتا ہے۔ طہارت کے عام مسائل سے لیکر نکاح اور طلاق کے اہم معاملات تک میں احادیث ہی سے ہم رہنمائی حاصل کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ جن ارشادات کے ساتھ ہمارا رشتہ اتنا نازک اور گہرا ہے کہ زندگی کا پہلا سانس لیتے ہی ہمارے کان میں جو آواز سب سے پہلے سنائی دے وہ انہیں ارشادات کی تعمیل ہو اور پھر جسم اور روح کا رشتہ ختم ہو جانے کے بعد ہمارے رفقاء اور رشتہ دار ہماری جو آخری خدمت سرانجام دیں وہ بھی حضورؐ کے فرمائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق ہی ہمیں ایک خاص طریق سے نہلایا جائے، ایک خاص انداز سے لباس پہنایا جائے اور ایک خاص انداز سے ہماری نماز جنازہ ادا کی جائے، پھر خاص آداب کے ساتھ ہمیں قبر کے سپرد کیا جاتے۔ جس تعلیم کے ہم مہد سے لحد تک ایک ایک قدم پر محتاج ہوں اور جس سے ہم ایک لمحہ کے لیے بھی اغماض نہ برت سکتے ہوں اُس کے بارے میں اگر کوئی بد باطن ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کرے کہ یہ مقدس تعلیم آیاتِ الٰہی سے غافل کرنے کا سبب ہے تو اُس کے اس دعوے کو اگر حماقت اور دیوانگی نہ کہا جائے تو اور کس لفظ سے تعبیر کیا جائے۔ اُس کا یہ دعویٰ اتنا غلط اور احمقانہ ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اور اُمتِ مسلمہ کی پوری تاریخ اس کی پوری شدت کے ساتھ تکذیب کرتی ہے۔ جس قوم کے نیک اور خدا ترس افراد کو ابھی تک میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں تامّل ہو اور اس کی وجہ اُن کے نزدیک بجز اس ایک وجہ کے اور کوئی نہ ہو کہ ہمارے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کیا کرتے تھے، وہ قوم بعض سنتوں کو اپنی کم ہمتی کی وجہ سے ترک تو کر سکتی ہے لیکن حدیثِ نبوی کو کبھی بھی دین سے برگشتہ کرنے والی چیز نہیں سمجھ سکتی۔

تیسرے دنیا کے سارے نظامہائے حیات اور سارے علوم و فنون اپنی کچھ مخصوص اصطلاحات رکھتے ہیں۔ یہ اصطلاحات الفاظ کے عام ڈھانچے لیکر اُن میں مفہوم و معانی کی ایک خاص روح پھونک کر تیار کی جاتی ہیں اور اس وجہ سے الفاظ کے ظاہری اشتراک کے باوجود اُن کے درمیان اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اصطلاحات کسی نظام کو دوسرے نظام سے الگ کرنے، اور کسی شعبۂ علم کو دوسرے شعبۂ علم سے ممیّز اور ممتاز کرنے میں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ مختلف نظامہائے حیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور علوم و فنون کے درمیان جو کچھ امتیاز پیدا ہوتا تھا وہ انہیں کا رہینِ منت ہے۔ یہ اپنے نظام اور علم کی تاریخِ زیبا کا عکس ہوتی ہیں اس لیے انہیں اُس نظام اور علم کی روح کے سمجھے بغیر سمجھنا یکسر ممکن ہے۔ مثال کے طور پر ضابطۂ فوجداری کی ایک اصطلاح ہے CAPITAL PUNISHMENT جس کے معنی ہیں "سزائے موت" اب ایک سرپھرا اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ چونکہ CAPITAL کے معنی لغت میں "سرمایہ" کے بھی ہیں لہٰذا اس سے مراد سزائے موت نہیں بلکہ صرف جرمانہ ہے۔ جو شخص لغت کی مدد سے اس قسم کی مضحکہ خیز تاویلات کریگا اُسے پوری دنیا فاتر العقل کہے گی۔ بالکل اسی طرح اُن لوگوں کے فہم و فراست کا بھی دیوالہ نکل چکا ہے جو قرآن مجید کو حضور سرورِ دو عالم کی تصریحات کے بغیر محض لغت کے سہارے سمجھنے کا داعیہ رکھتے ہیں وہ سادہ لوح نوجوانوں کو پھنسانے کے لیے بڑے معصومانہ انداز میں یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کو زمان و مکان کی حدبندیوں میں محدود نہیں کیا جاسکتا اور اس کے دائرہ کو اصطلاحات کی حدود سے تنگ کرنا اس پر صریح ظلم و زیادتی ہے۔ یہ بات بظاہر اسلام کی آفاقیت ثابت کرنے کے لیے کہی جاتی ہے لیکن اس کی تہ میں ایک خوفناک سازش موجود ہے۔ ہمیں تو آج تک کوئی ایسا مسلمان نہیں ملا جو قرآن مجید کے پس منظر کا اس لیے مطالعہ کرتا ہو کہ اسے ایک خاص دَور کے اندر مقید کر دیا جائے اور اب اس کی تعلیمات کی حیثیت قصۂ پارینہ کی بنادی جائے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہوئے اگر اس کے دَورِ نزول کے حالات کو سامنے رکھا جاتا ہے تو اُس کی غرض یہی ہوتی ہے کہ ہم اس کے مفہوم و منشا کو صحیح طور پر سمجھ سکیں کیونکہ جو ضابطۂ حیات عملی زندگی سے جتنا گہرا تعلق رکھتا ہے اس کا صحیح صحیح مفہوم زندگی کے عملی نقشہ کو سامنے رکھ کر ہی متعین کیا جاسکتا ہے۔ پھر اسلام اُس کی اصطلاحات نے اس کے دائرہ کو تنگ نہیں کیا بلکہ اس دین کو دوسرے ادیان اور نظامہائے حیات سے ممیز اور ممتاز کیا ہے۔ ایمان بالغیب، صلوٰۃ، زکوٰۃ، آخرت، حشر، نشر، نکاح، طلاق اور اسی طرح کی جو سینکڑوں اصطلاحات قرآن مجید میں استعمال کی گئی ہیں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کے سامنے آنے کے ساتھ قلب و دماغ میں ایک خاص اندازِ فکر پیدا ہو اور پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ عملی نقشہ بھی اُبھر کر آنکھوں کے سامنے آجائے جسے اسی اندازِ فکر نے پیکرِ محسوس عطا کیا ہے۔ (باقی صفحہ ۶۲ پر)

© rasailojaraid.com